Vol.5 No. 2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

کروناوبا کے تناظر میں "دریا کی تشنگی" کا تحقیقی مطالعہ

i. اختر علی اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج کبل سوات

ii. ڈاکٹر جہانزیب شعور، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ اسلامیہ کالج پشاور

iii. ڈاکٹر انور علی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ اسلامیہ کالج پشاور

ABSTRACT

In the end of 2019 an epidemical virus namely Corona virus or Covid-19 burst out throughout the world. Within a short period of time it became pandemic globally. This epidemic affected the whole circle of life. It affected the minds of Urdu poets seriously and they omitted their thoughts about it in the shape of poetry. Kishwar Naheed, in her last collection "Daria ki Tishnagi" wrote a number of poems about Corona. A research study of Kishwar Naheed's views about Corona is sought out in this article.

....

کلیدی الفاظ: کروناوبا، کووڈ-19، دریا کی تشنگی، نقاب (ماسک)، قفل بندی (لاک ڈاؤن)

....

2019ء کے اواخر میں ایک عالمی وبا پھوٹ پڑی جس کا نام ماہرین طب نے کووڈ- 19 (Covid-19) رکھا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ بیماری SARS-COV-2 نامی وائرس کے سبب پھیلتی ہے۔ یہ بیماری انسانی پھیپھڑوں اور سانس کی نالیوں کو شدید طور پر متاثر کرتی ہے جس کی وجہ سے سانس لینے میں حد درجہ دشواری ہوتی ہے اور متاثرہ مریض کی جان خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمی سطح پر کثیر تعداد میں لوگ اس کی وجہ سے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اس وبا نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو بری طرح متاثر کیا۔ سب سے پہلے اس کے اثرات طب کے شعبے میں نمایاں ہونے لگے۔ چونکہ طب کا شعبہ اس اچانک پھوٹ پڑنے والی وبا کے لیے ذہنی، تکنیکی اور عملی طور پر تیار نہ تھا اس لیے طب سے منسلک افراد ذہنی دباؤ اور جسمانی کرب کا شکار ہوئے۔ عالمی سطح پر جدید ادویات کی طلب کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ طبی سائنسدان دن رات ایک کر کے مخصوص قسم کے حفاظتی ٹیکے متعارف کرانے میں کامیاب ہوگئے مگر اس وبا کی مزید اقسام نشوونما پانے لگیں جس کی وجہ سے انھیں پھر سے آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اب تک مختلف قسم کے حفاظتی ٹیکے منظر عام پر آچکے ہیں جو اس وبا کے مکمل سدّباب میں تو معاون نہیں مگر پھر بھی کسی حد تک لوگوں کے ذہنی دباؤ کو کم کرنے میں کام آرہی ہیں۔ اس سے دائمی نجات پانے کے لیے موزوں ادویات کی دستیابی اب تک ممکن نہ ہو سکی۔

دوسرا اہم مسئلہ جو شعبۂ طب کو درپیش تھا، وہ جدید مشینری اور طبی آلات کی عدم دستیابی تھا۔ کچھ آلات، مثلاً: وِنٹی لیٹر مشین اور آکسیجن وغیرہ دستیاب تو تھے مگر ان کو فنی مہارت کے ساتھ کام میں لانے والے ماہرین کی عدم دستیابی کی بدولت ان کا مثبت طور پر کام میں لانا شعبۂ طب کا تیسرا بڑا اہم مسئلہ تھا۔ یوں طب کا شعبہ بری طرح متاثر ہوا مگر بتدریج مسائل پر قابو پایا جانے لگا۔ طب کے ساتھ ساتھ اس وبا نے معیشت، تعلیم، انسانی نفسیات، بنیادی ضروریات اور ادب کو بھی متاثر کیا۔

ادب معاشرہ کا عکاس ہوتا ہے اور عصری مسائل پر نگاہ رکھنا اس کی بڑی خصوصیت تسلیم کی جاتی ہے۔ وقوعات عالمی نوعیت کے ہوں یا مقامی نوعیت کے، ادب ان سے صرفِ نظر نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے ادیبوں اور شاعروں نے اپنی اپنی زبانوں میں اس وبا کی نوعیت، اس کے اسباب اور اثرات و نتائج پر اپنے مخصوص لہجے میں روشنی ڈالی۔ اردو زبان کے ادیب و شاعر بھی اس معاملہ میں پیش پیش رہے۔ معاشرتی مسائل پر عمیق نظر رکھنے والی شاعرہ کشور ناہیدؔ نے بھی اس اہم اور عالمی مسئلہ پر قلم اٹھایا اور اس کے اثرات کا گہری نظر سے مشاہدہ کیا۔ اس حوالے سے کشور ناہیدؔ کا تازہ مجموعۂ کلام "دریا کی تشنگی" خاص طور پر قابلِ توجہ ہے جو 2020ء میں شائع ہوا۔ یہ مجموعہ نثری نظموں پر مشتمل ہے۔ کشور نے اس مجموعہ میں کم و بیش ان تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے جن پر کرونا کے اثرات مرتب ہوئے۔

کرونا وبا کا حملہ انسانی جسم سے زیادہ اس کی نفسیات پر ہوا۔ اس کی بدولت خوف اور بے چینی نے جنم لیا جس کی وجہ سے انسان تنہا رہ گئے۔ مغربی اور یورپی لوگوں کے مقابلہ میں مشرقی لوگوں کے لیے تنہائی ایک بڑا المیہ ثابت ہوا اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ مغرب خاندانی نظام سے محروم جب کہ مشرق خاندانی نظام کی امین ہے۔ قرنطینہ میں رہ کر اپنوں سے دوری، سماجی فاصلہ کی حد بندی اور حفاظتی نقاب Mask سے چہرہ ڈھانپنے کی پابندی مشرقی فرد کے لیے سزا کے مترادف اقدام تھے۔ لوگ خوف کے مارے گھروں کے دروازے بند رکھنے پر مجبور ہوگئے۔ آپس میں ملنے جلنے کی ایسی قلت ہوگئی کہ مدتوں دروازے پر دستک نہیں ہوئی۔ انسانوں پر موت کا خوف اس قدر طاری ہوگیا کہ پہلے وبا اور اس کے نام سے ڈرتے تھے مگر اب اپنے ہم نفسوں سے ڈرتے ہیں۔ کشورؔ کہتی ہیں کہ خوف کی بدولت لوگ ایک دوسرے سے اس قدر نالاں ہو چکے ہیں کہ ایک دوسرے کے لیے گھروں کا دروازہ بھی نہیں کھولتے۔ انسان، انسان کی بجائے جانوروں اور حشرات کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا دروازہ نہ کھولنے سے موت واپس چلی جائے گی؟ موت کو کسی سے اجازت لینے یا دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ موت جب آتی ہے تو آکر ہی رہتی ہے۔ مگر انسان نفسیاتی طور پر موت کا سامنا کرنے سے گھبراتا ہے، اس لیے وہ اس سے بچنے کی ہر ممکن تدبیر کرتا رہتا ہے۔ کشورؔ نظم "چاند میں بیٹھی بڑھیا دیکھ رہی ہے" میں اس منظر کی عکاسی یوں کرتی ہیں:

کئی مہینوں سے دروازے پہ دستک نہیں ہوئی
میں کیوں بار بار دروازہ کھول کے کیا
ڈھونڈتی رہی
کوئی چہرہ، کوئی قدموں کی چاپ

Vol.5 No. 2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

مگر باہر تو ایک دفعہ بلی گذرتی نظر آئی
اور ایک دفعہ چھپکلی
سارے مکین اتنے ڈرے ہوئے ہیں
کہ کھڑکی سے باہر بھی نہیں جھانکتے
پہلے کرونا سے ڈرتے تھے
اب انسانوں کے سائے سے بھی
ڈرتے ہیں
موت کے ڈر سے دروازہ بھی نہیں
کھولتے ہیں
کتنے معصوم یا بزدل لوگ ہیں
موت کو دروازے کی کیا ضرورت ہے![1]

موت کے خوف نے روایتی اندازِ زندگی کو متاثر کیا۔ گلے گلے ملے ہوئے بچھڑ گئے۔ایک دوسرے کے دیدار کے لیے ترسنے والے خوف کے مارے بد ظن ہو گئے۔فاصلے بڑھ گئے اور ملاقاتوں کے سلسلے منقطع ہو گئے۔گلے ملنا اور ہاتھ ملانا موت کا پیغام بننے لگا۔زندگی موت کی چادر میں لپٹ گئی۔ہر خبر موت کی خبر بن گئی۔ان حالات نے اکیسویں صدی کے انسان کو انسانوں سے بے زار کر دیا۔دیرینہ رشتوں کو نبھانا بھی بے وقوفی کی علامت بن گیا۔یہاں تک کہ والدین اور اولاد کے مابین خالص محبت کی بنیاد پر قائم رشتہ بھی خوف کی وجہ سے بد گمانی کا شکار ہو کر رہ گیا۔اس حوالے سے کشورؔ نظم "Power of touch" میں کہتی ہیں:

جن زمانوں میں گلے ملنا
یا ہاتھ ملانا، موت کو دعوت دینے
کے مترادف سمجھا جائے
ان دنوں میں انسانی لمس کا
سوچا بھی نہیں جاسکتا
فاصلے پہ کھڑے رہو
یہ کیا ملاقات کی شکل ہے
زندگی کو ڈر کی چادر ایسی
اوڑھائی گئی ہے
جو کوئی خبر ہے، اس میں موت لپٹی ہے[2]

کرونا وبا کی تمام مدت فرد نے خود کو اس بات پر قائل کرنے میں گزار دی کہ زندگی پیاری ہے۔اس کی ذات اہم ہے۔جان ہے تو جہان ہے۔وہ قائل ہو گیا اور موت کے خوف کی بدولت الگ تھلگ رہنے کو ترجیح دی مگر وہ تنہائی کے احساس سے نجات نہ پا سکا۔تنہائی کا احساس بار بار اسے ڈستا رہا۔اپنے پیاروں کے لمس اور زندگی کے لمس کے لیے وہ بے چین رہا۔موت یا کرونا عزیزوں کے لمس کے احساس کو نہ مٹا سکا۔ تنہائی کا احساس فرد کے ذہن میں جس قدر پختہ ہوتا جاتا ہے،اسی قدر اس کی بے چینی بڑھتی رہتی ہے۔لمس کا احساس بڑھ کر حسرت بننے لگتا ہے اور یہ حسرت جان لیوا محسوس ہونے لگتی ہے۔یہ وہ مقام ہے جہاں کرونا اور تنہائی کا احساس دونوں مہلک بن جاتے ہیں۔کشورؔ اس صورت حال کو مذکورہ نظم میں اس طرح واضح کرتی ہیں:

موت، کرونا کے نام سے
ہر گھر میں جھانک رہی ہے
محبت کا وہ جھونکا
جو لمس کی مہک لیے ہوتا تھا
وہ ہمیں کب ملے گا
چھپ کے ملنے کا لطف
جو اِن ہونٹوں پہ پیاس بن کے
تڑپ رہا ہے
لمس مانگ رہا ہے۔
کیا موت، کیا کرونا
اس احساس کو مار سکے گا![3]

Vol.5 No. 2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس وبا کو میڈیا اور طب کے شعبے نے حد سے زیادہ وحشت ناک صورت دے کر پیش کیا۔ میڈیا کا تو کام ہی زیرو کو ہیرو بنا کر پیش کرنا ہے۔ مابعد جدیدیت کے زیر اثر میڈیا کو تشہیر کا بڑا ذریعہ بنا دیا گیا۔ میڈیا اشیا اور واقعات کی تشہیر کے لیے تشکیلی حقیقت Hyper reality سے کام لیتا ہے۔ تشکیلی حقیقت سے مراد اشیا اور واقعات کو ان کے اصل تناظر سے ہٹ کر پیش کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں اصل حقیقت کو چھوڑ کر ایک پُر فریب حقیقت راسخ کی جا سکے جو جھوٹ ہو کر بھی سچ لگے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ناصر عباس نیرّ کہتے ہیں:

"تشکیلی حقیقت، حقیقت کا پیراڈاکس ہے: حقیقت ہے بھی اور نہیں بھی۔ ژاں بادریلا اسے "ایک ایسی چیز کی نقل کہتا ہے جو حقیقی طور پر کبھی موجود نہیں تھی" اور امبرٹو ایکو، اسے "مستند فریب" یا The Authentic fake کہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو از خود موجود نہیں تھی، اسے معرض وجود میں لایا گیا ہے، تشکیل دیا گیا ہے، تشکیلی ہونے کی بنا پر یہ اصل میں، نقل ہے مگر اس کا اثر حقیقت سے بڑھ کر ہوتا ہے، اس لیے اسے "حقیقت سے زیادہ حقیقی" بھی کہا گیا ہے۔"(4)

اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ڈاکٹر ناصر عباس نیرّ مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"عملی مفہوم میں تشکیلی حقیقت، ایک طرف صارفیت سے متعلق اور دوسری طرف ان تمام شبیہوں، امیجز، ٹی وی پروگراموں، کمپیوٹر کھیلوں اور پروگراموں اور سہ ابعادی تصویروں یا ہولوگرافی سے متعلق ہے، جو موجودہ عالم گیر کلچر کی شناخت ہیں۔"(5)

غرض یہ کہ میڈیا نے کرونا وبا کو حد سے زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ حقیقت کو تشکیلی حقیقت کا رنگ دے کر لوگوں کے خوف، تنہائی اور ان کے تشویش میں اضافہ کر ڈالا۔ میڈیا نے ڈاکٹروں اور شعبۂ طب سے متعلق دیگر افراد کو اپنا ہم نوا بنا لیا۔ یوں صورت کافی گھمبیر ہو گئی۔ لوگ سمجھنے لگے کہ ان کا آخری وقت آچکا ہے، اس لیے وہ ایک دوسرے سے آخری ملاقاتوں کی خواہش کرنے لگے۔ یہ منظر نظم "Power of touch" سے کشورؔ کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

کئی مہینوں سے میڈیا ہو کہ ڈاکٹر
دور رہنے کا نقارہ بجا رہے ہیں
اس سے پہلے کہ وحشت
ہمارا ذائقہ بن جائے
میں تمھارے ہاتھ اپنے ہاتھ میں
کب لے سکوں گی!(6)

کرونا کی وجہ سے دنیا بھر کی معیشت دھڑام سے گر گئی۔ لاک ڈاؤن کی وجہ سے امیروں کی بڑی بڑی فیکٹریوں، تجارتی مراکز، مارکیٹوں اور بازاروں کی بندش کا سارا خمیازا مفلس اور مزدور طبقہ کو بھگتنا پڑا۔ امرا کا اندوختہ اس آڑے وقت میں ان کے کام آیا مگر غریب مزدور کے پاس خون پسینے کی محنت کے سوا کچھ نہیں۔ ان کے گھروں کے چولہے ٹھنڈے پڑے رہتے ہیں اور ان کے بچے بھوکے سوتے ہیں۔ ان کو کرونا کی پرواہے نہ اپنی جان کی۔ وہ اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کی خاطر ہر صبح مزدوری کی نیّت سے نکلتے ہیں مگر کرونا ہر روز ان کے اور ان کے بچوں کے پیٹ پر لات مار دیتا ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ کرونا کے سبب ان کو مزدوری پر نہیں رکھا جا سکتا تو وہ بے چارے حیرت و تعجب کے عالم میں پوچھنے لگتے ہیں کہ کرونا کا ہماری مزدوری سے کیا تعلق ہے؟ کشورؔ نظم "کون ان کا مسیحا بنے گا" میں مفلس طبقہ کی اس خستہ حالی کو یوں سامنے لاتی ہیں:

چپلوں والے مزدور منہ اٹھائے دیکھتے ہیں
کہ کوئی انھیں دہاڑی پر لے جائے
کبھی اچھا دن ہو تو بات کر کے بھی
کہتے ہوئے چلے جاتے ہیں،
آج کل کرونا چلا ہوا ہے۔
پھر آئیں گے
وہ سب ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں
ہماری دہاڑی کا کرونا سے کیا واسطہ!
گھر پہنچتے ہیں تو ماں باسی روٹیاں
اور اچار سامنے رکھ دیتی ہے
پوچھتی ہے دہاڑی کا کیا ہوا؟
وہ غصّے میں بڑبڑاتا ہے "کرونا"
چاروں بچے روٹی ہاتھ میں لیے
ننگے پلنگ پر لیٹتے ہی سو جاتے ہیں
باپ سگریٹ سلگا کر کش لیتے ہوئے
کہتا ہے "ہائے کرونا کب جائے گا"(7)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

غریب مزدوروں کو جب مزدوری نہیں ملتی تو ان کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ بھی گھروں میں محصور ہو کر رہیں۔انھیں اپنے بچوں کے بھوکے پیٹوں کا احساس تو ہے مگر ان کے پاس یہ پیٹ بھرنے کا علاج کوئی نہیں۔ شہر و دیہات ویران پڑے ہوئے ہیں۔ ٹھیلے لگانے والے ٹھیلے نہیں لگاتے۔کاروبار کا پہیہ رک گیا جس نے معیشت کو بری طرح متاثر کیا۔"2020 کا المیہ۔تیسری دنیا میں" کے یہ مصرعے دیکھیے:

اس سال کرونا نے
ہر معیشت کو روند کے رکھ دیا ہے
نہ کوئی ٹھیلے والا اور کہیں بار آباد ہے
مجبوری میں گھر سے نکلنے کی آزادی ہے
جب کوئی کام کاج ہی نہیں
تو کس لیے باہر نکلنا[8]

میڈیا نے کرونا کو وحشت ناک صورت میں پیش کرنے کا ٹھیکہ تو لے رکھا ہے مگر یہاں بھی وہ آقا اور غلام کے تصور کو راسخ کرنے سے باز نہیں آیا۔ طاقتور ممالک جو خود کو دنیا کے مالک سمجھتے ہیں، ان کے ہاں ہونے والے نقصانات کو میڈیا بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے مگر تیسری دنیا کے غریب و غلام ممالک کے نقصانات کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ جب آقا ملک میں کرونا کی وجہ سے ایک موت بھی واقع ہو جاتی ہے تو وہ خاص خبر بن جاتی ہے مگر غریب ممالک میں مرنے والوں کی موت عام خبر بننے کے لائق بھی نہیں سمجھی جاتی۔ ہمارے زخموں کو یہ کہہ کر تازہ کیا جاتا ہے کہ خانہ کعبہ انسانوں سے خالی ہو چکا ہے اور صرف کبوتر طواف کرتے نظر آتے ہیں۔اس حوالے سے کشورؔ کی نظم "کون ان کا مسیحا بنے گا" کا یہ حصہ ملاحظہ ہو:

سارے ملکوں میں ایران سے میلان تک
روز سینکڑوں مرتے، روز دبا دیے جاتے ہیں
ہماری کچی بستی میں مرنے والے کی خبر
نہیں آتی۔
ایک خبر ضرور آتی ہے کہ مسجدِ مکرم
اور کعبۂ معظم کے ارد گرد طواف کرتے
صرف کبوتر نظر آتے ہیں۔[9]

تیسری دنیا کی اقوام پر اس وبا کی دہشت بٹھانے کے لیے میڈیا اور مذہبی اہلکاروں کی خدمات حاصل کی جا رہی ہیں۔ انھیں یہ وظیفہ سونپ دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو اس بات کا قائل کریں کہ اگر انھوں نے ماسک نہیں پہنا اور سماجی فاصلہ قائم نہیں رکھا تو ان کی موت یقینی ہے۔ ہاتھ ملانا اور گلے ملنا موت کو دعوت دینا ہے۔ بجائے اس کے کہ یہ ادارے افراد کی حوصلہ افزائی کر کے انسانیت کے دکھوں کا مداوا کرتے، انھوں نے انسانیت کے دکھوں میں اضافہ کیا۔ اس حوالے سے کشورؔ نظم "2020ء کا المیہ۔تیسری دنیا میں" میں کہتی ہیں:

کیا میڈیا کیا مسجدوں میں خطبے
سب کے سب دہشت کے
کارندے ہیں۔
"کسی کو مت چھوؤ
سماجی فاصلہ قائم کرو"[10]

معیشت کی بربادی کا اثر زندگی کے مختلف شعبوں پر پڑ گیا۔ ایک طرف بنیادی ضروریات کی قلت کا سامنا کرنا پڑا تو دوسری جانب اشیا کی قیمتیں آسمان کو چھونے لگیں۔ اس طرح لوگ معمول کی زندگی گزارنے کے اہل نہ رہے اور انھوں نے اپنی ضروریات و سہولیات کو محدود کرنا شروع کر دیا۔ جس قدر کرونا پھیلتا جاتا ہے، اسی قدر مہنگائی بڑھتی جا رہی ہے۔ بلکہ کرونا سے زیادہ مہنگائی کا جن بے قابو ہو کر معصوم لوگوں کو کچلنے لگا۔ "2020ء کا المیہ۔تیسری دنیا میں" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

درمیانے طبقے نے گاڑیاں بیچ کر
سائیکل چلانا شروع کر دی ہے
مہنگائی بھی کرونا کی طرح پھیل رہی ہے[11]

کرونا کے خوف کی بدولت معاشرتی زندگی تعطل کا شکار ہو گئی۔ روایتی زندگی کا حسن ماند پڑ گیا۔ وفا و مروت اور رشتوں کا احساس مٹنے لگا۔ اسی لیے خونی رشتے رکھنے والے بھی اپنے عزیزوں کی لاشوں سے دور بھاگتے ہیں۔ اپنے عزیزوں کو اپنے ہاتھوں قبروں میں اتار دینے والے میتوں کو رسیوں کی مدد سے اتارنے لگے۔ میّت کے بوسے لینے والے میّت کے قریب آنے سے گریزاں ہیں۔ انتہا یہ کہ کرونا کے خوف کی وجہ سے قفل بندی Lockdown کی بدولت پیاروں کے ایصالِ ثواب کے لیے قل اور چہلم کی رسمیں ادا کرنا بھی خواب بن گیا۔ جس مریض کو قرنطینہ کر کے الگ کر دیا جاتا ہے، وہ کرونا سے زیادہ نفسیاتی مریض بن جاتا ہے۔ وہ اپنی موت کو حتمی سمجھ لیتا ہے اور موت کا تذکرہ کر کر کے گھٹ گھٹ کے مر جاتا ہے۔ روایتی زندگی کو بری طرح متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ کرونا نے مذہبی پہلو پر بھی شدید منفی اثرات ثبت کیے۔ مذہبی امور اور عبادات کی انجام دہی بھی سراب بن گئی۔ اس حوالے سے کشورؔ نظم "ہم بے وقعت، بے وقعت ہی رہے" میں کہتی ہیں:

کرونا سے مرنے والوں کے قریب

اولاد اور گورکن بھی آنے سے گریزاں
نظر آتے ہیں
رشتے، قربت، اپنا خون
یہ سب وا ہے، کرونا کفن بن گئے ہیں
کرونا، وبا ہے، بلا ہے کہ انتباہ
اب تو قل، چہلم کی رسمیں بھی
لاک ڈاؤن کی نظر ہو گئی ہیں
پندرہ دن کا قرنطینہ
موت سے مکالمے میں گزرتا ہے(12)

کرونا کے حوالے سے دانشور طبقہ تشکیک کا شکار ہے۔ انھیں لگتا ہے کہ کرونا وبا قدرت کی طرف سے نہیں بھیجی گئی کیوں کہ وہ رحیم و کریم ذات ہے اور اپنے بندوں کو اتنی بڑی اذیت نہیں دیتا۔ شیطان کا بھی اس میں کوئی عمل دخل نہیں کیوں کہ یہ وبا رمضان کے مہینے میں پھوٹ پڑی تھی اور رمضان میں شیطان قید ہوتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ طاقتور ممالک نے عالمی سطح پر اپنے مقاصد کی تکمیل کی خاطر کرونا کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ یوں کرونا وبا تشکیکی حقیت کے سوا کچھ نہیں۔ کشور کرونا سے مکالمہ کر کے کہتی ہیں کہ بے وقعت انسانوں کے پیچھے پڑ کر تجھے کیا حاصل ہو گا۔ انسان کو فنا کرنے کی بجائے ان مہلک ہتھیاروں کو فنا کر دے جن کی وجہ سے انسانی زندگی ہر لحہ خطرے میں ہے۔ بغور دیکھا جائے تو کرونا کو ہتھیاروں کے خاتمہ کی ہدایت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ کشور کو یہ وبا مصنوعی لگتی ہے اور اشاراتی انداز میں اس وبا کے پھیلانے والوں پر لعنت بھیج کر انھیں دنیا میں امن قائم کرنے کا پیغام دیتی ہیں۔ نظم "ہم بے وقعت، بے وقعت ہی رہے" سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

سُن کرونا!
تو انسان کے پیچھے کیوں پڑی ہے
آگے بڑھ، ساری دنیا کے ہتھیاروں کو
فنا کر دے
خدا تو رحیم و کریم ہے
اس نے تو تجھے نہیں بھیجا
شیطان بھی رمضان میں قید ہوتا ہے
تو پھر بتا تجھے کس نے بھیجا ہے
تو میرے مسیحاؤں کو بھی نگل گئی
اب جو کچھ بچا ہے
بے وقعت زندگی
بے وقعت لوگ!(13)

ہمیشہ وہی ادب بڑا سمجھا گیا جس میں عصری مسائل و حوادث کو جگہ دی گئی۔ ہر زمانے کے اپنے مسائل، رجحانات اور تقاضے ہوتے ہیں۔ سیاست، حکومت، معیشت اور معاشرتی حالات پر شاعر و ادیب کی نظر ہوتی ہے۔ وہ خود سمجھنا چاہتا ہے اور دوسروں کو سمجھانا چاہتا ہے۔ ہمارے دور کے پیچیدہ مسائل میں سے ایک مسئلہ کرونا وائرس کا ہے۔ کشور ناہید نے اس وبا سے متعلق اپنے آخری شعری مجموعے "دریا کی تشنگی" میں متعدد نظمیں لکھ کر خود کو ایک حساس، باشعور اور عصری مسائل سے آگاہ فن کارہ کے طور پر منوالیا ہے۔

حوالہ جات

1۔ کشور ناہید، دریا کی تشنگی، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، 2020ء، ص 30، 31
2۔ ایضاً، ص 33، 34
3۔ ایضاً، ص 34
4۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر، مابعد جدیدیت، نظری مباحث، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، 2018ء، ص 249
5۔ ایضاً، ص 250
6۔ کشور ناہید، دریا کی تشنگی، ص 35
7۔ ایضاً، ص 37، 38
8۔ ایضاً، ص 115
9۔ ایضاً، ص 39

Vol.5 No. 2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

10۔ ایضاً، ص116

11۔ ایضاً، ص116،117

12۔ ایضاً، ص43

13۔ ایضاً، ص45